جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلّہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

صفر المظفر ۱۴۳۳ھ / جنوری 2012ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048–6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائن پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

نیٹو حملہ جرأت مندانہ مؤقف اپنانے کی ضرورت

نیٹو فورسز کے حملہ اور پاک فوج کے جوانوں کی حالیہ شہادت پر پاکستانی قوم اس وقت سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے۔جنوبی پنجاب سمیت ملک بھر میں احتجاج کا سلسلہ جاری ہے اور ریلیاں نکالی جارہی ہیں۔عوام میں امریکا کے خلاف غم وغصہ کے ساتھ پاکستانی حکمرانوں کے خلاف بھی شدید غصہ پایاجاتاہے۔اسی لئے امریکی صدر کے ساتھ پاکستانی وزیراعظم کے پتلے بھی جلائے جارہے ہیں اوران کی مسلسل بے حسی کے خلاف پرزور نعرے لگائے جارہے ہیں۔

اس وقت پوری قوم کامطالبہ ہے کہ نیٹو حملہ کا منہ توڑجواب دیاجائے۔پوری قوم ملکی سالمیت اورخودمختاری کے تحفظ کے لئے متحدومتفق ہوچکی ہے۔ادھرملک کے ذمہ دارافرادامریکاسے خوفزدہ ہیں اس لئے وہ محض زبانی جواب پرہی اکتفاکررہے ہیں بلکہ وفاقی وزیرداخلہ کے مطابق حکومت نے اس سلسلہ میں اب تک جوکچھ کیاہے وہ کافی ہے۔حالانکہ تمام حالات کوسامنے رکھ کراس وقت بھی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں جرأت مندانہ مؤقف اختیارکرے۔

اس عنوان کے تحت روزنامہ اسلام کے مدیرمحترم نے ۴/دسمبرکے اداریہ میں جوکچھ عندیہ ظاہرکیاہے وہ ہمارے نزدیک نہایت صائب اوردرست ہے اس لئے اس مرتبہ ''مجلہ الحقانیہ'' کے ادارتی صفحات میں تائیدمزیدکے ساتھ اسے ہدیۂ ناظرین کیا جارہاہے،چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

''پارلیمان کی قومی سلامتی کمیٹی نے وفاقی کابینہ کی دفاعی کمیٹی اوروفاقی کابینہ

کے نیٹو کی سپلائی بند کرنے ، امریکا سے شمسی ایئر بیس خالی کرانے اور بون کانفرنس میں شرکت نہ کرنے کے فیصلے کی توثیق کردی۔ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے قومی سلامتی کی پارلیمانی کمیٹی کو بتایا کہ مہمند ایجنسی پر حملہ کرکے نیٹو نے مشترکہ اصولوں کی خلاف ورزی کی ۔ وزیراعظم نے کہا پاک امریکا تعلقات پر نظرثانی ہورہی ہے۔ پارلیمان کی قومی سلامتی کمیٹی کی جانب سے بون کانفرنس کے مکمل بائیکاٹ کرنے اور نیٹو کو رسد کی بندش برقرار رکھنے کا فیصلہ قومی امنگوں اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے ۔پاکستان کو اس وقت جس طرح کی صورت حال درپیش ہے،اس سے نکلنے کے لئے جرأت مندانہ اقدامات اور پالیسیاں اختیار کرنا ہی بہترین حکمت عملی ہے ۔یہ ماضی میں ملکی سلامتی اور قومی آزادی وخودمختاری پر سمجھوتے کرنے کا ہی وبال ہے کہ آج ہماری سرحدیں پامال ہورہی ہیں اور ہمارے جوانوں کو مارا جارہا ہے اور مارنے والے وہ لوگ اور قوتیں ہیں جن کی خوشنودی کی خاطر ہم نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگایا ہوا ہے۔

امریکا اور نیٹو کی جانب سے پاکستانی چوکیوں پر حملہ صریح جارحیت اور کھلی دہشت گردی ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک ہفتہ گزر جانے کے باوجود بھی حملہ آورں کے پاس اپنی اس کارروائی کے جواز میں کہنے کو کچھ نہیں ہے،اس کے باوجود ان کی جانب سے کسی قسم کی شرمندگی اور ندامت کا اظہار نہیں کیا جارہا بلکہ امریکی میڈیا کی اطلاع کے مطابق امریکی صدر باراک اوباما نے اس واقعہ پر پاکستان سے رسمی تعزیت کرنے سے بھی گریز کرنے کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ ان کی انتظامیہ کو آئندہ الیکشن میں نقصان کا سامنا نہ ہو۔ اسے بدترین دشمنی ، بد طینتی ، اور کمینگی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے ؟۔

اس کے بعد پاکستان کے لئے کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ امریکا کو اپنا دشمن سمجھ کر اس کے اتحادی ہونے پر چار حرف نہ بھیجے اور دہشت گردی کی امریکی جنگ سے

مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے باہر نہ آجائے۔اس تناظر میں یہ امر ناگزیر ہے کہ پاکستان کی سیاسی و عسکری قیادت کسی قسم کی کمزوری، مصلحت پسندی یا بزدلی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ امریکا کو واضح پیغام دیا جائے کہ پاکستان اس کی باج گزار ریاست بننے کو تیار نہیں ہے اور پاکستانی قوم کسی بھی قسم کی جارحیت کا مقابلہ کی کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔

امریکا نے اپنے آلہ کا دانش فروش عناصر کے ذریعے یہ خوف پھیلانا شروع کر دیا ہے کہ پاکستان امریکا کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔یہی عناصر افغانستان پر امریکی جارحیت کے موقع پر بھی یہی خوف پھیلا رہے تھے کہ افغانستان کے طالبان امریکا اور نیٹو کے چالیس ممالک کی افواج کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے ،اس لئے امریکا کے سامنے ہتھیار ڈالنا ہی بہترین حکمت عملی ہے۔آج دس سال گزرجانے کے بعد وقت نے ثابت کر دیا کہ امریکا کا رعب ودبدبہ جعلی اور امریکی عسکری و معاشی طاقت ریت کا گھروندا ہے۔افغانستان کے نہتے طالبان نے امریکا اور اس کے اتحادیوں کی ناقابل تسخیر عسکری قوت کا بت توڑ دیا ہے اور انہیں افغانستان سے واپسی کا راستہ بھی نہیں مل پارہا۔ ایسے میں امریکا اور اس کے اتحادی پاکستان پر جارحیت کرنے کی حماقت نہیں کرسکتے۔اس لئے ہمیں خوفزدہ ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ہماری اس دنیا میں بہت سے ایسے چھوٹے چھوٹے ممالک ہیں جنھوں نے امریکا کے بھرپور دور رعونت میں بھی اس کی دھونس دھمکی کو قبول نہیں کیا اور اپنے قومی مفادات کے تحت پالیسیاں بناتے رہے،وہ ممالک آج بھی دنیا کے نقشے پر موجود ہیں اور امریکا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔

پاکستان اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایمانی جذبہ سے سرشار و غیور مسلمانوں کی سرزمین ہے اور اسے عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہونے کا اعزاز حاصل ہے،اس کی مسلح افواج کا شمار دنیا کی بہترین پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی حامل افواج میں ہوتا ہے۔پاکستان کو نشانہ بنانے

کا مطلب ایک تباہ کن جنگ کو دعوت دینا ہوگا جس کی ہمت کرنا کسی کے لئے بھی آسان نہیں ہے۔ اگر ہماری سیاسی و عسکری قیادت تھوڑی سی مزید جرأت و ہمت سے کام لے اور پاکستان سے سی، آئی، اے ایجنٹوں کو نکالنے کا اقدام کیا جائے اور نیٹو کو رسد کی مستقل بنیاد پر بندش کا اعلان کیا جائے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ امریکا اور نیٹو پاکستان کے پاؤں پڑجائیں گے اور آئندہ کے لئے پاکستان پر حملوں کا بھی سدباب ہوجائے گا۔

قوموں کی زندگی میں کبھی ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب اپنی بقا کی خاطر ہر قسم کی مصلحتوں، وسوسوں اور اندیشوں کو ایک طرف رکھ کر جرأت مندانہ اقدامات کرنا ہوتے ہیں۔ پاکستان کے لئے وہ لمحہ آچکا ہے اور پاکستان کے پاس بس مزید کسی پسپائی کی گنجائش بھی نہیں ہے۔

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

۱۵/ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتیٰ یقولوالاالٰہ الااللہ ،فاذاقالوھا وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا واکلوا ذبیحتنا فقد حرمت علینا دمائھم واموالھم الا بحقھاوحسابھم علی اللہ(رواہ البخاری)

ترجمہ:حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہوجائیں پس جب وہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہوجائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرنے لگیں اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں تو ان کے خون اور ان کے مال ہم پر حرام ہوگئے سوائے اس کے حق کے اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔

تشریح :اس حدیث میں شہادت توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رخ کرنے اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔درحقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجۂ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر اور لوگوں کو کفر وشرک کی گمراہی سے نکال کر راہ حق پر لانے کیلئے ہے پس جولوگ بے راہ روی چھوڑکر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کرلیں اور دین حق کی دعوت کو قبول کرلیں انکے جان ومال سے تعرض کرنا ہمارے لئے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان واسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں کہ آدمی مسلمانوں کے طریقہ پر نماز پڑھنے لگے اور نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنے لگے اور مسلمانوں

کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کردیا۔ اوراسی حدیث کی سنن ابی داود کی روایت میں وحسابهم علی الله کی جگہ آخری الفاظ یہ ہیں: لهم ماللمسلمين وعليهم ماعلى المسلمين جس کا مطلب یہ ہے کہ جولوگ دعوت اسلام کو قبول کرلیں نہ صرف یہ کہ ہماری جنگ انکے خلاف ختم ہوجائے گی اوران کے جان ومال کوامان حاصل ہوجائے گی بلکہ پھروہ تمام حقوق اورذمہ داریوں میں بالکل ہمارے برابر ہونگے۔

ان حدیثوں کے بارہ میں ایک شبہ اوراس کاجواب

ان احادیث پر سرسری نظر میں ایک شبہ ہوتاہے، بعض شارحین حدیث نے خود ہی اسکوذکرکرکے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں۔ وہ شبہ یہ ہے کہ اسلام میں جزیہ اورمناسب شرائط کے ساتھ مصالحت کااصول بھی مسلم ہے اوران دونوں صورتوں پر بھی جنگ ختم ہوجاتی ہے لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتاہے کہ جنگ صرف اس وقت روکی جائے گی جبکہ لوگ دعوت اسلام کوقبول کرلیں۔ راقم سطورکے نزدیک اس کاجواب یہ ہے کہ ان احادیث کامقصد اور موضوع جنگ کوروک دینے اوراس کوختم کردینے کی صورتیں بتلانا نہیں ہے بلکہ ان ارشادات میں حضور ﷺ کا مطمح نظرصرف دوچیزوں کوواضح کرناہے۔ ایک یہ کہ ہماری جنگ کی غایت اس کے سوااورکچھ نہیں ہے کہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں اوراس کی متعین کی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگیں، یعنی دعوت اسلام کوقبول کرلیں اوردوسرے یہ کہ جولوگ اس دعوت کوقبول کرلیں گے ان کے جان ومال کوہماری طرف سے قطعی امن ہوگابلکہ حقوق اورذمہ داریوں میں وہ دوسرے مسلمانوں کے بالکل مساوی ہوں گے۔ رہاجزیہ یاخاص حالات میں خاص شرائط کے ساتھ مصالحت، سواگرچہ یہ بھی جنگ ختم کردینے کی صورتیں ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ اسلامی جنگ کی اصل غایت نہیں ہیں بلکہ چونکہ ان کے ذریعے اصل مقصدیعنی دعوت اسلام کیلئے ایک پرامن راہ کھل جاتی ہے اس لئے ان پر جنگ روک دی جاتی ہے۔ (معارف الحدیث ۱/۱۴۴)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم: حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب حقی تصحیح: مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما

○ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب کامل وہ شخص ہوسکتا ہے جس میں حضور کے ساتھ کامل تشبہ ہو (گو کیفیت میں فرق عظیم ہوگا) معاملات میں صفائی اور تیقظ ہو، اتباع کے لیے احتساب اور داروگیر ہو، معاشرت سادہ اور پاکیزہ ہو مخلوق پر شفقت ہو اگر یہ نہیں تو وہ نائب کامل نہ ہوگا۔

○ فرمایا ایک دفعہ میں نے ایک بزرگ کے متعلق سنا کہ وہ روپے پیسے کو ہاتھ تک نہیں لگاتے ہیں، گھربار کے انتظامی امور سے بالکل بیگانہ رہتے ہیں، خدام اس خدمت کو بجالاتے ہیں۔ یہ حالات سن کر میرے دل میں خیال ہوا کہ ترک دنیا اور ترک تعلقات دنیویہ کا یہ درجہ بہت مستحسن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا کہ فوراً ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے تنبیہ ہوئی کہ یہ محض دھوکہ ہے وہ واقعہ یہ ہوا کہ گھر سے نیاز خاں ملازم کو گیہوں اور پیسے دیے گئے کہ جلال آباد سے آٹا پسوا لاؤ۔ اس وقت تھانہ بھون میں آٹا پیسنے کے انجن نہیں تھے۔ نیاز خاں معمول پیشتر آٹا لے کے آ گئے میں نے کہا کہ آٹا اتنی جلدی کیسے پس گیا؟ انہوں نے کہا کہ انجن والے نے کہا کہ وقت تنگ ہے اور آٹا دیر میں پسے گا تم پسائی کے دام اور گیہوں دے دو اور پسا پسایا آٹا لے جاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ میں نے گھر والوں کو تاکید کردی کہ اس آٹے کو علیحدہ رکھو یہ سودی معاملہ سے آیا ہے اور نیاز خاں سے کہا کہ صبح کو جاؤ اس آٹے کو واپس کرو اور اپنے گیہوں کو پسوا کر لاؤ مجھ کو اس واقعہ سے تنبیہ ہوئی کہ اس طرح معاملات سے بے خبر ہونا درست نہیں۔ اگر واقعات کی

کھود کرید نہ کی جائے تو نہ معلوم کیا سے کیا کھلا دیا جائے اور معاملات میں شرعی حدود کی ہر گز رعایت نہ ہو سکے۔

O سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص مرید ہو جائے تو بلا اجازت شیخ وعظ و نصیحت اور امامت وغیرہ کر سکتا ہے یا نہیں ؟ حضرت نے فرمایا جو شخص کسی سے بیعت ہو جائے اس کی مثال اس مریض جیسی ہے جو اپنے آپ کو کسی طبیب کے سپرد کر دے اور وہ اس کا علاج اپنے ہاتھ میں لے لے۔ تو جس طرح مریض کو ضروری ہے کہ اپنے خورد و نوش وغیرہ کے تمام حالات میں طبیب کی رائے لے ایسے ہی مرید کو ضروری ہے کہ شیخ کی اجازت کے بغیر کوئی نیا کام نہ کرے بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ایک کام بظاہر مستحسن اور مامور بہ معلوم ہوتا ہے مگر وہ مرید کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔

اس کو مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک مریض انگور، انار دیکھ کر ان کے کھانے کی تمنا کرتا ہے کیونکہ وہ انہیں مفید سمجھتا ہے اور زمانہ صحت میں ان کے مفید ہونے کا تجربہ کر چکا ہے تو جیسے اس مریض کو بلا مشورہ طبیب انگور انار نہ کھانا چاہیے ایسے ہی مرید کو بلا مشورہ شیخ کوئی کام نہ کرنا چاہیے۔ ہاں جو شخص کسی کے زیر تربیت نہ ہو وہ جن باتوں کو مستحسن سمجھتا ہو ان پر عمل کر سکتا ہے۔ جیسے کسی کا علاج شروع کرنے سے پہلے مریض کو اختیار ہے کہ جس غذا وغیرہ کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہو استعمال کرے اور جس طرح مریض کو علاج شروع کرنے کے بعد اپنے معالج کی رائے کے خلاف کرنا یا اس سے رائے نہ لینا خلاف اصول علاج ہے اسی طرح مرید ہونے کے بعد شیخ کی رائے کے خلاف کرنا یا اس سے رائے نہ لینا خلاف طریق ہے۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ

عصمت انبیاء علیہم السلام علماء حق کی نظر میں

(قسط۲)

عصمت کی تقسیم میں مؤلف کی غلطی

اس جگہ مؤلف کی یہ غلطی بھی واضح ہوگئی جوانہوں نے عصمت کی تقسیم کرتے ہوئے عصمت کی ایک قسم عصمت عن الزلات (لغزشوں سے عصمت) بیان کی ہے (دیکھو علمی جائزہ ص۵۲) جب مؤلف کوخود بھی یہ تسلیم ہے کہ ''تقریباً تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ زلات اور لغزشوں سے انبیاء علیہم السلام معصوم اور محفوظ نہیں ہیں'' (علمی جائزہ ص۵۲) اور مؤلف نے خودہی غایۃ التحقیق سے بھی یہ نقل کیا ہے ''وان لم یعصموا عن الزلات''۔ زلات سے توبالاتفاق معصوم نہیں ہیں (ص۵۲) توپھرنامعلوم مؤلف کاعصمت کی دوقسمیں عصمت عن المعاصی اور عصمت عن الزلات بتانے اوراس لکھنے سے کیا مقصد ہے کہ:

''جن چیزوں کے ساتھ عصمت کاتعلق ہے وہ چونکہ دوقسموں پر منقسم ہیں ایک معاصی ہیں اوردوسری زلات یعنی لغزشیں۔ اس لئے ان کے اعتبار سے عصمت کی بھی دوقسمیں ہیں'' (علمی جائزہ ص۴۵) سوال یہ ہے کہ جب زلات اورلغزشوں سے انبیاء علیہم السلام معصوم اور محفوظ ہی نہیں ہیں توپھر عصمت کاتعلق زلات اورلغزشوں کے ساتھ کیونکر ہوگیااور عصمت کی ایک قسم عصمت عن الزلات آپ نے کس مقصد کے لئے ایجاد کی ہے؟

عصمت کی یہ ایک نئی قسم عصمت عن الزلات کیاآپ نے اس مقصد کے لئے

ایجاد کی ہے کہ اس طرح مولانا مودودی کے بیان کردہ اس لطیف نکتہ کی آپ حفاظت کرسکیں جو انہوں نے بیان کیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہونے دیں''۔

کیونکہ جب یہ ثابت ہے کہ ''زلات اور لغزشوں سے انبیاء علیہم السلام معصوم اور محفوظ نہیں ہیں'' اور مؤلف کی ایجاد کے موافق عصمت کی ایک نئی قسم ''عصمت عن الزلات'' بھی ثابت ہوجائے تو اب مولانا مودودی کا مذکورہ ''لطیف نکتہ'' درست ہوجاتا ہے اور قابل اعتراض نہیں رہتا اس لئے کہ عصمت عن الزلات تو انبیاء علیہم السلام کے لئے کسی کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہے۔ تو پھر اس عصمت کا ہر نبی سے کسی وقت اٹھا لینے کا عقیدہ جس کا ذکر متذکرہ نکتہ میں کیا گیا ہے محل اعتراض نہیں رہتا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور غرض بھی اس نئی قسم عصمت عن الزلات کے ایجاد کرنے کی مؤلف صاحب بتلا سکتے ہیں؟

''تفہیمات'' کی عبارت

اب ہم ناظرین کے سامنے تفہیمات کی وہ عبارت مؤلف کے حوالہ سے ہی پیش کرتے ہیں جس میں مولانا مودودی نے یہ مذکورہ ''نکتہ'' بیان کیا ہے اس کے بعد مؤلف نے جو اس عبارت کا ''غیر متعصبانہ ذہنیت سے'' تجزیہ کیا ہے اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

مؤلف لکھتے ہیں: ''مولانا مودودی نے تفہیمات ج۲ ص۴۳ میں سیدنا داود علیہ السلام کے قصہ کے متعلق علماء وقت کی کئی توجیہات بیان کرتے ہوئے اپنی طرف سے بھی ایک توجیہ ذکر کی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں ضمناً اس بات کا ذکر آگیا ہے کہ ان سے بعض لغزشیں سرزد ہوئیں''۔

تفہیمات کی پوری عبارت یہ ہے:

''لیکن ان حضرات نے شاید اس امر پر غور نہیں کیا ہے کہ عصمت دراصل انبیاء علیہم السلام کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لئے بھی ان سے منفک ہوجائے توجس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوجاتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہوسکتی ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھاکر ایک دو لغزشیں سرزد ہونے دی ہیں۔ تاکہ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں'' انتہیٰ۔ (علمی جائزہ ص ۶۳)

مؤلف نے لکھا ہے کہ اس عبارت کا تجزیہ کیا جائے تو چار امور پر روشنی پڑتی ہے:

(الف) تفہیمات کی عبارت میں جو عصمت ذکر کی گئی ہے اس سے مراد عصمت ہے خطا اور لغزشوں سے نہ کہ معاصی اور گناہوں سے بلکہ وہ یہاں زیر بحث ہی نہیں ہے۔ مؤلف نے اس جزء (الف) کے ثبوت کے لئے جو دلیل پیش کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عبارت کے سیاق میں ''خطاؤں اور لغزشوں'' کے الفاظ ہیں اور سباق میں بھی لغزشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس سے قبل کی عبارت میں مولانا مودودی نے لکھا ہے:

''اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں نے اس بنا پر تامل کیا ہے کہ انبیاء کی طرف اس قسم کی لغزشوں کا انتساب عصمت انبیاء کے خلاف معلوم ہوتا ہے''۔

مؤلف کہتے ہیں کہ ''جب سیاق وسباق دونوں میں لغزشوں کا لفظ بطور قرینہ ذکر کیا گیا ہے اور گناہوں کا ذکر اصلاً موجود نہیں ہے تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں زیر بحث وہ عصمت ہے جو زلات اور لغزشوں سے ہو نہ کہ وہ عصمت جو معاصی اور گناہوں

سے ہو'' (علمی جائزہ ص ۶۴)

مؤلف کی دلیل کا جائزہ

مؤلف نے شاید اس امر پر غور نہیں کیا کہ تفہیمات کی اس عبارت میں زیر بحث وہ عصمت ہے جو انبیاء علیہم السلام کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اب مؤلف بتلائیں کہ وہ کون سی عصمت ہے جو منصب نبوت کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے دی جاتی ہے وہ عصمت عن الزلات ہے یا عصمت عن المعاصی۔

جب لغزشوں سے عصمت کا تعلق ہی نہیں اور انبیاء علیہم السلام لغزشوں سے باتفاق اہل سنت معصوم ہی نہیں ہیں تو پھر آپ کا یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ ''اس عبارت میں عصمت عن الزلات کا ذکر ہے'' اگر منصب نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے یہ عصمت عن الزلات ضروری تھی تو کیا مؤلف یہ بتلاسکتے ہیں کہ پھر تمام اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے لغزشوں سے معصوم نہ ہونے پر کیوں اتفاق کیا ہے ؟ کیا اہل سنت کے نزدیک انبیاء علیہم السلام نے منصب نبوت کی ذمہ داریوں کو (نعوذباللہ) ادا نہیں کیا۔ یا عصمت عن الزلات منصب نبوت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے ضروری نہیں ہے، آپ خوب غور کرنے کے بعد سوچ کر جواب دیں کہ تفہیمات کی متنازع فیہ عبارت میں عصمت سے مراد عصمت عن الزلات ہے یا عصمت عن المعاصی؟

کیا عصمت عن الزلات نبوت و رسالت کے لوازم میں سے ہے؟

اگر مؤلف کی یہ بات مان لی جائے کہ عصمت عن المعاصی (گناہوں سے معصوم ہونے) کا ''اس عبارت میں سرے سے ذکر نہیں'' اس عبارت میں تو عصمت عن الزلات کا ذکر ہے۔ تو مؤلف نے اس عبارت کے تجزیہ کی شق ''ب'' میں جو یہ

لکھا ہے کہ : ''یہ عصمت انبیاء کے ذوات کے ساتھ لازم نہیں ہے بلکہ نبوت اور رسالت کے لوازم میں سے ہے '' (علمی جائزہ ص۶۴)اس سے ان کی مراد کون سی عصمت ہے؟ عصمت عن الزلات یا عصمت عن المعاصی ؟

شق ''الف'' اور شق ''ب'' دونوں کے ملانے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ تو یہ ہے کہ مؤلف کے نزدیک عصمت عن الزلات لوازم نبوت و رسالت میں سے ہو۔ حالانکہ مؤلف '' مسئلہ عصمت انبیاء ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام لغزشوں سے معصوم نہیں ہیں''۔

مؤلف صاحب اچھی طرح غور کرکے بتلائیں کہ ان کے نزدیک وہ کون سی عصمت ہے جس کے لازم ذات ہونے کے وہ حضرات قائل تھے جن کی تردید مولانا مودودی نے اس عبارت سے کی ہے ''ان حضرات نے شاید اس امر پر غور نہیں کیا ہے کہ عصمت دراصل انبیاء علیہم السلام کے لوازم ذات سے نہیں ہے'' وہ کون حضرات ہیں جنہوں نے عصمت عن الزلات کو بھی لازم ذات کہا تھا۔جس کو مولانا مودودی غور نہ کرنے کا نتیجہ فرما رہے ہیں۔اب فرمائیے کہ اس عبارت میں عصمت عن الزلات کا ذکر ہے یا عصمت عن المعاصی کا؟

مؤلف سے ایک سوال

مؤلف نے تفہیمات کی عبارت میں تجزیہ کا آخری جزیہ لکھا ہے کہ:

''ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں ہونے دیں'' (علمی جائزہ ص۷۲)

مؤلف کے تجزیہ کی شق ''ب'' سے تو اس عصمت کا نبوت و رسالت کے لوازم سے ہونا ثابت ہوا۔اور اس آخری شق سے معلوم ہوا کہ یہ عصمت کسی نہ کسی وقت ہر

نبی سے اٹھالی جاتی ہے۔ تواب سوال یہ ہے کہ جب یہ عصمت نبوت ورسالت کے لئے لازم ہے اور نبوت ملزوم تونبوت کے ہوتے ہوئے عصمت کا اٹھالیاجانا کیسے متصور ہوسکتا ہے؟اور ملزوم کے پائے جانے کے باوجود اس کالازم کیونکراس سے منفک اور جداہوسکتا ہے۔حالانکہ وجودملزوم مستلزم ہوتاہے وجودلازم کو۔اوراگرکسی وقت یہ عصمت انبیاء علیہم السلام سے بقول مولانامودودی کے اٹھالی جاتی ہے توکیا (نعوذباللہ) اس وقت وہ نبی بھی نہیں رہتے۔اس لئے کہ انتفاءلازم مستلزم ہوتاہے انتفاملزوم کو۔توجس وقت عصمت نہیں رہے گی اس قاعدہ عقلیہ کی بناپراس وقت نبوت بھی نہیں رہے گی۔(نعوذباللہ)

مؤلف کے تجزیہ کے مطابق مولانامودودی کامسلک

اب مؤلف کے تجزیہ کے موافق لازم آتاہے کہ عصمت انبیاء کے بارہ میں مولانامودودی کامسلک یہ ہواکہ ان کے نزدیک بعض اوقات انبیاء علیہم السلام سے ان کی نبوت منتفی ہوجاتی ہے۔ اورہرنبی پرکوئی وقت ایسابھی آتاہے جس میں نعوذباللہ وہ نبی ہی نہیں ہوتے۔ کیامسلک اہل سنت والجماعت کی عین ترجمانی یہی ہے ؟اورکیااس میں صرف اتنی ہی چیزکادعویٰ کیاگیاہے کہ ''انبیاء علیہم السلام سے ایک دولغزشیں سرزد ہوجاتی ہیں'' یااس عبارت سے ہرنبی کی نبوت کاکسی نہ کسی وقت ارتفاع لازم آتاہے۔ کیاکسی وقت نبوت کاارتفاع بھی اہل سنت کامسلک ہے؟یہ ہے وہ عقیدۂ عصمت جس کے متعلق مؤلف لکھتے ہیں کہ ''مولانامودودی کے عقیدۂ عصمت میں دوسرے اہل سنت کی بہ نسبت انتہائی احتیاط پائی جاتی ہے'' اور مؤلف کے نزدیک ''مولاناکے اس عقیدۂ عصمت کی بڑی تعریف اور تحسین کی جانی چاہیئے تھی''۔

اب مؤلف کویہ بھی معلوم ہوگیاہوگاکہ مولانامودودی کوصرف اتنی بات کے کہہ

دینے پر کہ ''انبیاء علیہم السلام سے ایک یا دو لغزشیں سرزد ہوئی ہیں ''گروہ اہل سنت یا دائرہ اسلام سے خارج کردینے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ان پر الزام یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے کسی نہ کسی وقت عصمت کے اٹھالئے جانے کے کیوں قائل ہیں ؟جس سے اس وقت میں ان کی نبوت کا نہ رہنا بھی لازم آتا ہے (العیاذباللہ)۔

رفع اشتباہ

یہ بھی یاد رکھئے کہ اہل سنت والجماعت سے یہ سوال نہیں کیاجاسکتاکہ جب وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کی انبیاء علیہم السلام لغزشوں سے معصوم نہیں اور مولانا مودودی بھی لغزشوں کے سرزد ہونے کے قائل ہیں تو پھر اہل سنت کے مسلک اور مولانا مودودی کے عقیدہ میں کیافرق رہابلکہ بقول مؤلف مولانامودودی نے تولغزشوں کے سرزد ہونے میں بھی ایک دو کی حدبندی کردی بخلاف اہل سنت والجماعت کے کہ وہ بغیر تحدید کے ذکر کرنے کے لغزشوں کے صدور کو تسلیم کرتے ہیں۔

اس لئے کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک زلات اور لغزشوں کے ساتھ عصمت کا تعلق ہی نہیں ہے اب اگر وہ تحدید کے ذکر کئے بغیر لغزشوں کے صدور کے قائل ہوں تو ان پر کچھ الزام نہیں بخلاف مولانامودودی کے کہ ان کا عقیدہ مؤلف نے یہ نکالا ہے کہ :''یہ عصمت لوازم نبوت ورسالت سے ہے'' اس لئے ان پر یہ الزام آتا ہے کہ وہ اس عصمت کے اٹھا لینے کے کیوں قائل ہیں''۔

زیر بحث یہ چیز نہیں ہے کہ ایک دو لغزشیں سرزد ہوئی ہیں یا زیادہ۔سوال تو اس عقیدہ پر ہے کہ جو عصمت نبوت ورسالت کے لئے لازم ہے ۔اس کو کسی نہ کسی وقت اٹھالیاجاتاہے۔یہ درست ہے کہ تفہیمات کی اس عبارت کے سیاق وسباق میں لغزش کا لفظ مذکور ہے گناہ کا لفظ مذکور نہیں ہے۔ لیکن اگر گناہ کا لفظ مذکور ہوتا تو مؤلف کہتے کہ کبیرہ گناہ

کا لفظ نہیں ہے اور اگر ان کی توجہ ''رسائل ومسائل'' کی طرف دلاجائی جائے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ میں مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ ''نبوت سے پہلے تو ان سے ایک بہت بڑا ہو گیا تھا'' تو شاید مؤلف فرمائیں کہ تفہیمات کی اس عبارت میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر جب مولانا مودودی نے حضرت سیدنا داود علیہ السلام کے قصہ کے متعلق دوسری توجیہات کو رد کرتے ہوئے اپنی طرف سے اس توجیہ کا ذکر کرکے کہ ''قصہ اوریا کی بیوی کا ہی تھا'' یہ لکھا تھا کہ ''اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں نے صرف اس بنا پر تامل کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف اس قسم کی لغزشوں کا انتساب عصمت انبیاء کے خلاف معلوم ہوتا ہے'' تو کیا اس وقت بھی مولانا مودودی کے ذہن میں ''لغزشوں'' کا وہی مفہوم تھا جو علماء اصول کی اصطلاح ہے۔

اگر لغزشوں سے ان کی مراد اصطلاحی لغزشیں ہی ہیں تو یہ بتلایا جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اس قسم کی اصطلاحی لغزشوں کے انتساب کو بھی عصمت انبیاء کے خلاف سمجھ کر مولانا مودودی کی اس تاویل کے قبول کرنے میں تامل کیا ہے۔ اصطلاحی لغزشوں کے انتساب کو تو کسی نے بھی عصمت انبیاء کے خلاف نہیں سمجھا۔ پھر اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں کو اس بنا پر تامل کیوں ہوتا کہ اس قسم کی لغزشوں کا انتساب عصمت انبیاء کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ

ارشادالعبادفی عیدالمیلاد

عید میلاد کی شرعی حیثیت

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدہ
ہر چند کہ آخر بظہور آمدہ
اے ختم رسل قرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ از راہ دور آمدہ

حمد و صلاۃ کے بعد گزارش ہے کہ آج کل بعض کم سمجھ مدعیان محبت نے حضور اکرم ﷺ کے ذکر مبارک کو بھی آپ کی ولادت کے زمانہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور وہ بطور رسم کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت ﷺ کا ولادت کا یوم منانے لگے ہیں جیسا کہ بعض مدعیان محبتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یوم حسین منانے کے لئے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو خاص کر رکھا ہے، حالانکہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ایسی بابرکت چیز ہے کہ اس کو ہر وقت مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر جانا چاہئے تھا اور کوئی وقت آپ ﷺ کے تذکرہ سے خالی نہیں ہونا چاہئے تھا۔ پھر نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت شریفہ اور معراج شریف ہی کا ذکر قابل بیان ہے بلکہ آپ ﷺ کی ہر بات یہاں تک کہ آپ ﷺ کی نشست و برخاست اور طعام و لباس، اخلاق و عبادات، مجاہدات و ریاضات، افعال واحکام اور اوامر و نواہی سب کا ہی تذکرہ مسلمان کے لیے نیکی اور باعث ثواب ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، حتی کی حوائج ضروریہ میں مشغول ہونا سب ہی عبادت ہے اور نماز روزہ وغیرہ احکامات کی تبلیغ و تعلیم کرنا بھی عبادت میں شامل ہے،

اس لئے حضور اکرم ﷺ کے ان سب حالات کا بیان اور ذکر کرنا ذکر رسول میں داخل اور موجب برکت ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: کہ ہم تو ہر وقت ذکر میلاد کرتے ہیں کیونکہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) پڑھتے رہتے ہیں، اگر حضور ﷺ پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے؟ تو کلمہ طیبہ پڑھنا بھی آپ ﷺ کی ولادت کا ذکر کرنا ہے۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے کیونکہ محب کو محبوب کی ہر ادا پسند ہوتی ہے اور چونکہ احکام شرعیہ اور اوامر ونواہی بھی سب حضور ﷺ کے واسطہ سے اور آپ ﷺ کے ہی طفیل امت کو عطا کئے گئے ہیں اس لئے احکام شرعیہ کا تذکرہ کرنا بھی آنحضرت ﷺ کا ہی تذکرہ کرنا ہے، صرف ولادت شریفہ ہی کو آنحضرت ﷺ کا تذکرہ سمجھنا بہت بڑی غلطی اور محبت کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اگر حضور ﷺ سے محبت ہے تو سمجھنا چاہئے کہ ذکر ولادت جس طرح آپ ﷺ کا ذکر ہے ایسا ہی احکام شرعیہ اور اوامر ونواہی کا ذکر بھی آپ ﷺ ہی کا ذکر ہے۔

علامت محبت

محبت کی علامت بھی یہ ہے کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو، ولادت شریفہ کا بھی، آپ ﷺ کی سخاوت کا بھی، عادات اور عبادات کا بھی اور اس میں کسی مہینہ اور تاریخ اور مقام کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ دوسرے وظیفوں کی طرح روزمرہ اس کا وظیفہ ہونا چاہئے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اہل محرم کی طرح سال بھر میں مقررہ تاریخ پر یوم ولادت منالیا جائے اور اس کے بعد پھر کچھ نہیں، حالانکہ حضور ﷺ کا ذکر مبارک تو غذا ہے یہ ہر وقت ہونا چاہئے اس میں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے؟

آپ ﷺ کے حالات مبارکہ میں جو صحیح کتابیں لکھی گئی ہیں ان کو ہمیشہ پڑھنا اور

سننا اور آپ ﷺ کے ذکر کو اپنا وظیفہ بنانے کی ضرورت ہے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' اس مقصد کے لئے بہت مفید اور بابرکت ہے۔

ذکر کا نیا طریقہ

آج کل بعض مدعیان محبت نے حضور ﷺ کے ذکر کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے کہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو یوم میلاد مناتے ہیں اور انہوں نے اس کا نام عید میلاد النبی رکھا ہے ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیا طریقہ اصل میں عیسائیوں کے توڑ کے لئے ایجاد کیا گیا ہے کہ جیسے وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن مناتے ہیں اور ان کے یہاں بڑے دن کی خوشی قومی طرز پر ہوتی ہے اسی طرح ان مدعیان محبت نے بھی یوم میلاد کو اپنی قومی شوکت کے اظہار کا دن بنالیا اور اس پر سیاسی رنگ چڑھادیا ہے۔اس نئے طریقے کے ایجاد کرنے والے چونکہ اکثر انگریزی خواں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے وہ اپنی ایجاد کا اس سے زیادہ کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتے کہ اس میں قومی شوکت کے اظہا کی مصلحت ہے اور دنیوی باوجاہت شخصیتوں کے اعزاز میں جلوس نکالنے اور خوشی منانے کو اس کے جواز اور مثال میں پیش کرنے کے سوا وہ اور کوئی شرعی دلیل اس پر پیش نہیں کرسکتے، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ اور آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری پر دنیوی طریقہ سے اظہار مسرت اور خوشی منانا آپ ﷺ کی شان کو دنیوی بادشاہوں اور لیڈروں کے ساتھ ملانا اور آپ ﷺ کے مرتبۂ علیا سے آپ ﷺ کو نیچے لے جانا ہے۔اس میں بارگاہ رسالت کے ساتھ کس قدر گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی ہے وہ اہل دانش پر پوشیدہ نہیں ہے ،اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ پر فرح اور سرور کا شریعت نے حکم دیا ہے اور جو چیزیں شرعی طور پر مامور بہ ہوتی ہیں ان کا ادا کرنا دین

میں اصل ہوتا ہے ، لہٰذا آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ پر خوشی اور مسرت دین میں داخل ہے تو اس پر خوشی اور مسرت کے ظاہر کرنے کا جو طریقہ شریعت نے بتلایا ہو اس کے موافق اس کا اظہار کرنا چاہیئے۔

مقام غور ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا جو دنیوی امراء اور حکام کے ساتھ کیا جاتا ہے، جن کو آنحضرت ﷺ کے ارفع او راعلیٰ شان کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو زمین کو آسمان کے ساتھ ہے بارگاہ نبوت میں بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے؟ اب دیکھنا چاہیئے کہ ولادت نبوی پر اظہار خوشی کا جو طریقہ آجکل رواج پاگیا ہے جسکو ''عید میلاد'' کہا جاتا ہے کیا یہ طریقہ شرعی طریقہ کے موافق ہے جس کی تعلیم ہم کو دی گئی ہے؟

قرآن کریم سے آنحضرت ﷺ کی ولادت مبارکہ پر فرحت وسرور کا ثبوت

قرآن کریم میں ہے: قل بفضل اللّٰہ وبرحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون (یونس پ۱۱) ترجمہ : (اے محمد) آپ فرماد یجئے کہ اللہ کے فضل اور رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہیئے کہ خوش ہوں (اس لئے) کہ وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

اس آیت کے سیاق پر نظر کرکے تو فضل ورحمت سے مراد قرآن کریم ہے لیکن اگر ایسے معنیٰ عام مراد لئے جائیں کہ قرآن کریم بھی اس کا ایک فرد رہے تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے وہ یہ معنیٰ ہے کہ فضل ورحمت سے حضور ﷺ کا قدوم مبارک اور آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کو مراد لیا جائے، اس تفسیر کے موافق جتنی نعمتیں اور رحمتیں ہیں خواہ وہ دنیوی ہوں یا دینی ہوں اور اس میں قرآن کریم بھی ہے سب اس میں داخل ہوجائیں گی، اس لئے کہ حضور ﷺ کا وجود باجود اصل ہے تمام دینی اور دنیوی نعمتوں کی اور سرچشمہ ہے تمام رحمتوں اور فضل کا، اس طرح یہ تفسیر تمام تفسیروں کی جامع تفسیر ہوجائے گی۔

اس تفسیر کی بنا پر حاصل آیت مبارکہ کا یہ ہوگا کہ ہم کو حق تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود باجود پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے تمام نعمتوں کے واسطہ ہیں خواہ وہ دنیوی نعمتیں ہوں یا دینی جن میں سب سے بڑی دولت ایمان ہے، جس کا حضور ﷺ کی بدولت ہم کو پہنچنا تو بالکل ظاہر ہے، غرضیکہ اصل الاصول تمام مواد فضل ورحمت کی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہوئی، اس لئے اس ذات بابرکات کے وجود پر جس قدر بھی خوشی اور فرح ہو کم ہے۔ بہرحال اس آیت سے عموماً یا خصوصاً نہایت بلیغ طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس نعمت عظیمہ پر خوش ہونا چاہئے اس لئے کہ اول تو جار مجرور فضل اللہ کو مقدم لائے کہ جو مفید حصر ہے، اس کے بعد رحمت پر پھر حرف جار کا اعادہ فرمایا جس سے اس میں استقلال کا حکم پیدا ہوگیا، پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کو مزید تاکید کے لئے فبذٰلک سے مکرر ذکر فرمایا اور ذٰلک پر حرف جار اور فاعاطفہ لائے تاکہ اس میں اور اہتمام ہوجائے، پھر نہایت اہتمام دراہتمام کی غرض سے فلیفرحوا پر فالائے جو کہ مشیر ہے ایک شرط مقدر کی طرف اور وہ ان فرحوابشئ ہے، حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی شے کے ساتھ خوش ہوں تو اللہ تعالیٰ ہی کے فضل ورحمت کے ساتھ، پھر اسی کے ساتھ ہوں یعنی اگر دنیا میں کوئی شے خوشی کی ہے تو یہی نعمت ہے اور اس کے سوا کوئی شے خوشی کے قابل نہیں ہے اور اس سے بدلالۃ النص یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ نعمت تمام نعمتوں سے بہتر ہے، لیکن چونکہ ہم لوگوں کی نظروں میں دنیا اور دنیا کی ہی نعمتیں ہیں اور اسی میں ہم کو انہاک اور مشغولی ہے اس لئے اس پر بس نہیں فرمایا آگے اور نعمتوں پر اس کی فضیت ثابت کرنے کے لئے صراحۃ ارشاد ہے: ھوخیر مما یجمعون یعنی یہ نعمت ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں یعنی دنیا بھر کی نعمتوں سے یہ نعمت افضل ہے اور بہتر ہے۔ یہ حاصل ہے اس آیت کا جو مبنی ہے

اس تفسیر پر کہ فضل ورحمت سے حضور ﷺ کی ذات گرامی مرادلی جائے۔

حضور ﷺ کے وجود باجود پر فرحت کس بنا پر ہے؟

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمة وان کانوامن قبل لفی ضلال مبین۔یعنی حق تعالیٰ نے ایمان والوں پراحسان فرمایاکہ ان میں سے ایک رسول ان کی جنس سے بھیجاکہ وہ ان پران کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اوران کو (ظاہری وباطنی) نجاستوں (گندگیوں) سے پاک کرتے ہیں اور ان کوکتاب وحکمت سکھاتے ہیں اور بے شک وہ اس سے پہلے ایک کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت مبارکہ میں یتلوا علیھم اٰیاتہ ویز کیھم الخ سے صاف معلوم ہورہاہے کہ اصل شے خوشی کی اورمابہ الفرح والمنۃ یہ ہے کہ حضور ﷺ ہمارے لئے سرمایۂ ہدایت ہیں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق خوش ہونے کی بہت سی چیزیں ہیں مثلاًحضور ﷺ کی ولادت حضور ﷺ کی بعثت اور حضور ﷺ کے دیگرتمام حالات مثلاًمعراج شریف وغیرہ،یہ سب حالات واقعی خوش ہونے کے ہیں لیکن اس حیثیت سے کہ ہمارے لئے یہ مقدمات ہیں ہدایت وسعادت ابدی کے چنانچہ اس آیت سے صاف ظاہرہے اس لئے کہ اس میں بعثت کے ساتھ صفات بھی بڑھادی گئی ہیں یتلواعلیھم اٰیاتہ ویز کیھم الخ پس بقاعدۂ بلاغت ثابت ہوتاہے کہ اصل مابہ المنۃ یہ صفات ہیں باقی ولادت شریفہ یامعراج شریف وہ باعث خوشی زیادہ اس لئے ہیں کہ مقدمات ہیں اس دولت عظیمہ کے حصول کے اس لئے کہ اگرولادت شریفہ نہ ہوتی توہم کویہ نعمت عظیمہ کیسے ملتی؟

ذکر ولادت شریفہ اور ذکر نبوت شریفہ میں بڑا فرق ہے

اس آیت مبارکہ میں اس مقصود کا ذکر تصریحاً اور قصداً فرمایا گیا ہے اور دوسری آیت میں حضور ﷺ کے وجود باجود کا ذکر اشارۃً وضمناً فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے: لعمرک انھم لفی سکرتھم یعمھون اسی میں حضور ﷺ کی بقاء اور آپ ﷺ کے وجود مقدس کو مقسم بہ بنایا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قسم میں جواب قسم مقصود ہوتا ہے اور مقسم بہ کو تبعاً ذکر کیا جاتا ہے۔

اور ایک مقام پر حضور ﷺ کی ولادت شریفہ کو بھی اس طرح بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں :لااقسم بھذاالبلدوانت حل بھذا البلد ووالدوماولد کی تفسیر میں بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس کا مصداق حضور ﷺ کی ذات والاصفات ہے مگر اس اہتمام سے اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا جیساکہ آیت لقدمن الخ میں نبوت وبعثت اور تعلیم وتزکیہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔

نبوت شریفہ پر ولادت شریفہ سے زیادہ خوش ہونا چاہئے

اسی وجہ سے فرحت وسرور میں بھی تفاوت ہوگا کہ جس قدر ولادت شریفہ پر فرحت وسرور ہو اس سے زائد نبوت شریفہ پر ہونا چاہئے، کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہورہا ہے کہ زیادہ اہتمام کے قابل اور اصل مابہ المنۃ اور فرح وسرور کا باعث نبوت وبعثت ہے اسی لئے نبوت وبعثت کا ذکر بہ نسبت ولادت شریفہ کے ذکر کے زیادہ اہتمام کے لائق ہوا اور نبوت وبعثت ہی اس قابل ہے کہ اس پر سب سے زیادہ مسرت وخوشی کا اظہار کیا جائے، شاید اس فرق کی وجہ سے ہی قرآن کریم میں جس اہتمام اور صراحت کے ساتھ نبوت وبعثت کا ذکر فرمایا گیا ہے اس اہتمام وصراحت کے ساتھ آنحضور ﷺ کی ولادت شریفہ کا ذکر نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کا ذکر اشارۃً یا اجمالاً ہی فرمایا گیا ہے جیساکہ اوپر گزرا ہے۔

قصہ ولادت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے استدلال کا جواب

ان دونوں حضرات کے قصہ ولادت کو اہتمام سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی ولادت ایک عجیب طریقہ سے خرق عادت کے طور پر ہوئی ہے، یحییٰ علیہ السلام کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ بوڑھے بہت تھے کہ اسباب ظاہرہ کے اعتبار سے ان میں صلاحیت ہی توالد و تناسل کی نہ رہی تھی چنانچہ ارشاد ہے: واصلحنا له زوجه اس لئے ایسی حالت میں انسان کی ولادت عجیب تھی اور عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لئے ان کی ولادت اس سے بھی عجیب تر اور خارق عادت تھی اس واسطے حق تعالیٰ نے ان دونوں قصوں سے اپنی قدرت اور توحید پر استدلال فرمایا ہے ،یہ وجہ ہے کہ دونوں قصوں کو اہتمام سے قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا۔اور حضور ﷺ کی ولادت شریفہ چونکہ عادۃ اللہ کے موافق والدین کے ذریعے بطریق معہود ہوئی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کی ولادت شریفہ کے ذکر کا اس قدر اہتمام قرآن مجید میں نہیں فرمایا گیا۔اب دونوں پیغمبروں کے ذکر ولادت کے اہتمام پر آنحضرت ﷺ کے ذکر ولادت کو قیاس کر کے اس اہتمام ذکر کو ثابت کرنا قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔

حضور ﷺ کی ولادت شریفہ بطریق متعارف ہونے میں حکمت

حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اور آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ اسی طرح ہوئی جس طرح عادت اللہ جاری اور معروف طریقہ ہے،خرق عادت کے طور پر غیر معروف اور غیر متعارف طریقہ سے آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ نہ ہونے میں ایک حکمت یہ ہے کہ آدمی کو زیادہ انس اس سے ہوتا ہے جس سے کچھ مناسبت ہو اور قاعدہ ہے کہ جس قدر مناسبت زیادہ ہوگی انس بھی زیادہ ہوگا اور جس قدر مناسبت کم ہوگی اسی قدر وحشت بڑھے

گی اس واسطے آدمی کو اپنے ہم جنس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے اور جانوروں کی طرف کم ہوتا ہے اور جنوں سے اور بھی کم بلکہ وحشت ہے اور اسی وجہ سے انبیاء علیہم السلام سب آدمی اور انسان ہوئے ہیں، فرشتوں کو نبی بناکر نہیں بھیجاگیا اس لئے کہ ان سے انسانوں کو وحشت ہوتی اور افادہ اور استفادہ ممکن نہ ہوتا اس لئے سب رسول انسان ہوئے ہیں اور اس لئے بجز معجزات کے حضور ﷺ کی اور کوئی حالت ولادت وغیرہ بھی معمول کے خلاف نہیں بنائی گئی اس لئے کہ اگر عادت جاریہ اور متعارف طریقہ کے ذرا بھی خلاف کوئی بات ہوتی تو مناسبت میں اور پھر اس کے سبب انس و محبت میں ضرور کمی آجاتی ہے، اس سے غرض محبت افادہ اور استفادہ میں نقصان آتا اس لئے آنحضور ﷺ کی ولادت مبارکہ کسی نئے طرز سے نہیں ہوئی اور یہی آپ ﷺ کی شان محبوبیت اور افادہ کے لئے زیادہ مناسب ہے، اس کے خلاف کو ثابت کرنا اس حکمت مذکورہ کو نظرانداز کرنا ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مدار منت اور فرحت وسرور واشان یتلوا علیھم اٰیاتہ ویز کیھم الخ ہے اور ولادت شریفہ نیز نشو ونما کے واقعات کی خوشی بھی اس واسطے ہے کہ وہ واسطہ ہیں اس دولت کی تحصیل کا، پس اصل میں تو مقصود چاند کا کامل ہونا اور اس کی حالت ہدایت کی ہے لیکن پہلے دن کے چاند اور ہلال ہونے کی خوشی بھی اسی واسطے ہے کہ وہ ذریعہ ہے کامل ہونے اور ہدایت کا، اس لئے اصل سرور اور مسرت تو اس لئے ہے کہ ہم کو حضور ﷺ نے دین کی بڑی نعمت عطا فرمائی باقی اس کے جس قدر اسباب ہیں وہ چونکہ واسطے ہیں اس لئے ان سے بھی خوشی اور مسرت ہے۔

اظہار خوشی کا صحیح طریقہ

یہ تو واضح ہوگیا کہ حضور ﷺ کے وجود باجود اور ولادت مبارکہ پر فرحت اور خوشی کا

ہم کو حکم دیا گیا ہے، اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس فرحت کے اظہار کا صحیح طریقہ کیا ہے ؟۔۔۔۔ اس فرحت کے اظہار کا طریقہ وہی صحیح ہو گا جس طریقہ پر خود آنحضور ﷺ نے عمل کر کے اس کو ظاہر فرمایا ہو گا۔

دیکھنا چاہیئے کہ حضور ﷺ نے اس فرحت وخوشی کو کس طریقہ سے ظاہر فرمایا ہے، کیا آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ یا آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء راشدین کی سیرت میں کہیں اظہار مسرت کے اس طریقہ کا ذکر ملتا ہے جس کو آج کل کے بعض مدعیان محبت نے ''عید میلاد'' کے نام سے ایجاد کیا ہے اور یوم ولادت کو انہوں نے عید بنالیا ہے ؟سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جانشین ،خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ حضور ﷺ کی صحبت مقدسہ کو اٹھائے ہوئے تھے اور تمام عالم سے زیادہ قرآن مجید اور آنحضرت ﷺ کے منشا مبارک کو سمجھتے تھے ،آخر ان کی سمجھ میں اظہار مسرت کا یہ طریقہ کیوں نہیں آیا؟ جبکہ آنحضرت ﷺ کی محبت بھی ان حضرات کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی اور اتباع کے جذبہ سے بھی ان کے قلوب معمور تھے ،اسی طرح تابعین جن میں بڑے بڑے مجتہد ہوئے ہیں ان کی نظر بھی یہاں تک کیوں نہیں پہنچی ؟

بدعت وسنت کے پہچاننے کا قاعدہ کلیہ

ظاہر ہے کہ ولادت نبوی ﷺ باعث خوشی اور اظہار مسرت کا سبب ہے اور اسی خوشی کے اظہار کے لئے آج کل یہ نیا طریقہ ایجاد کیا گیا ہے کہ اس دن کو عید مناتے ہیں اور جلوس وغیرہ نکالتے ہیں اور یہ سب حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے بھی موجود تھا جب خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی ولادت مبارکہ کی خوشی اور مسرت کا اظہار اس طرح نہیں کیا اور یوم ولادت کو عید نہیں بنایا اور نہ ہی اس دن میں جلوس وغیرہ نکالا تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ شریعت میں اظہار خوشی کا یہ طریقہ درست نہیں

ہے ورنہ آپ ﷺ خود اور صحابہ کرام اس طریقہ پر اظہار خوشی کر کے اس کا جواز ضرور بتلا دیتے، یہی ایک دلیل کافی ہے اس عید میلاد کے بدعت ہونے اور حدیث من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد (جس شخص نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو دین نہیں ہے وہ مردود ہے) میں داخل ہو کر واجب الرد ہونے کی۔

البتہ جس چیز کا سبب جدید ہو اور وہ چیز کسی ضروری امر کے لئے موقوف علیہ ہو کہ اس کے بغیر مامور بہ پر عمل نہ ہوسکتا ہو جیسا کتب دینیہ کی تصنیف وتدوین اور مدارس دینیہ وخانقاہ کی بنا وتعمیر کہ حضور ﷺ کے زمانہ کے بعد ان کی ضرورت پیش آئی اور ان کا سبب جدید پیدا ہوا کیونکہ دین کی حفاظت سب کے ذمہ ضروری ہے، کتب دینیہ اور مدارس وخانقاہوں کے بغیر اس کی حفاظت کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے علماء کرام نے حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد کی کتابیں لکھیں اور ان کی تعلیم وتدریس کے لئے مدارس تعمیر کئے اور باطنی نسبت، سلسلہ اور تعلق مع اللہ کے باقی رکھنے اور تربیت کے لئے مشائخ عظام نے خانقاہیں بنائیں، بہرحال یہ چیزیں وہ ہیں جن کا سبب جدید ہے اور وہ سب خیر القرون کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے اس لئے بظاہر نظر دیکھنے میں یہ چیزیں بدعت اور نئی معلوم ہوتی ہیں لیکن واقع میں بدعت نہیں ہیں بلکہ حسب قاعدہ ''مقدمۃ الواجب'' قرار پائیں۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے بدعت اور سنت کے پہچاننے کا اس سے تمام جزئیات مختلفہ کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے۔

(جاری)

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم

ایوان صدر میں ایک تاریخی میٹنگ

نائن الیون کے متصل بعد جب (بقول صدر پرویز مشرف کے) امریکی حکومت کی طرف سے ان کو دھمکی آمیز فون کال ملی تو انہوں نے ایوان صدر میں ایک ہی دن میں صحافیوں، تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور سیاست دانوں کے ساتھ تین الگ الگ مجلسیں منعقد کیں۔ جو مجلس علماء کرام کے ساتھ منعقد ہوئی، اس میں رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی جناب مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب بھی شریک تھے۔ اس وقت کی علاقائی صورت حال سے ہر پاکستانی بے چین تھا، جامعہ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ وطلبہ بھی اس مجلس کی روئیداد اور نتیجہ جاننے کے لئے بے تاب تھے اس لئے اسلام آباد سے واپسی پر حضرت رئیس الجامعہ نے دارالعلوم کی ایک مجلس میں وہاں کی روئیداد بیان فرمائی جو اسی وقت محفوظ کرکے اس کا خلاصہ قلم بند کرلیا گیا تھا جو حضرت موصوف مدظلہم کی اجازت سے قارئین کرام کی معلومات کے لئے یہاں پیش کی جارہی ہے۔ اس روئیداد سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایوان صدر کی اس مجلس میں تمام مکاتب فکر کے علماء کرام نے متفقہ طور پر پرویز مشرف کے سامنے جو تحفظات اور اندیشے بیان کئے تھے اور افغان پالیسی میں جس طرح یوٹرن لینے کے لئے پرویز مشرف پر تول رہے تھے اس کے جن خطرناک نتائج سے ان کو آگاہ کیا تھا اب وہ ایک ایک کرکے سامنے آرہے ہیں۔ اللہ ہماری اور پاکستان کی حفاظت فرمائے۔ آمین (ادارہ)

تمام مکاتب فکر کے علماء کرام کو بلایا گیا، الحمدللہ اس مجلس میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ بات کی، یہ بات سب نے کہی کہ دہشت گردی شریعت میں جائز نہیں کہ بے گناہوں کو دھوکے سے ماردیا جائے، ہم اس کی مذمت کرتے ہیں چاہے کرنے والا کوئی بھی ہو، دوسری بات جو متعدد حضرات نے کہی وہ یہ کہ ہمارا ظن غالب یہ ہے کہ

11 ستمبر کی یہ کارروائی یہودیوں کی ہے، اور قرائن بھی بیان کئے، عالم اسلام کے خلاف تشدد کروانے اور حکومت امریکا کو گمراہ کرنے کے لئے ایسا کیا گیا لیکن جب تک کسی پر جرم ثابت نہ ہو اس پر سزا جاری کر دینا دوسری دہشت گردی ہے اس کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی ،اور آج تک امریکا بھی کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکا کہ دہشت گردی میں اسامہ ملوث ہے۔ اگر بے تحقیق اور بغیر ثبوت کے افغانستان کے خلاف کارروائی کی گئی تو یہ واضح طور پر انصاف کے خلاف ہوگا۔ بعض شرکائے مجلس نے یہ بھی کہا کہ اگر پاکستان ایسی کارروائی میں شریک ہوا تو یہ ملک وملت کے خلاف غداری ہوگی جس کے باعث خود ہمارے ملک میں خانہ جنگی ہو سکتی ہے۔

نشستیں پہلے سے متعین ہوتی ہیں، میری ایک طرف جناب مولانا مفتی غلام سرور صاحب تھے جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے ہے، اور دوسری طرف ایک شیعہ عالم تھے جو اسلامی نظریاتی کونسل میں بھی ہمارے ساتھ رہ چکے ہیں۔ ہمارا ان دونوں حضرات سے پرانا تعارف ہے۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ گفتگو کا آغاز مفتی غلام سرور صاحب سے ہوا، انہوں نے وہی بات کہی جو بعد میں میں نے اور دوسرے شرکاء نے کہی اور افغانستان کی بھرپور حمایت کی ،انہوں نے آغاز میں سورۃ الحجرات کی یہ آیت پڑھی:

یایھاالذین آمنواان جاء کم فاسق بنبأفتبینواان تصیبوا قومابجھالة فتصبحواعلی مافعلتم نادمین (الحجرات آیت نمبر٦) اے ایمان والو!اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاؤ۔ اور کہا کہ امریکی حکومت اسامہ کو بہانہ بنا کر پاکستان اور افغانستان کو نشانہ بنانا چاہتی ہے۔

شروع میں صدر پرویز مشرف صاحب نے یہ خطرات پیش کئے تھے کہ اگر ہم انکار

کرتے ہیں تو امریکہ ہم پر حملہ کرسکتا ہے اور دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہمارے انکار کی صورت میں بھارت کو آگے بڑھ کر اس کی حمایت کرنے کا موقع مل جائے گا اور افغانستان میں طالبان کی حکومت ختم ہونے پر وہاں اپنا اثر ورسوخ بڑھا کر ہمارے لئے مسئلہ بن جائے گا، اور اگر ہم امریکہ کی حمایت کریں گے تو ہم امریکہ سے بہت سارے مفادات حاصل کرسکتے ہیں، اور طالبان کی حکومت کے خاتمہ پر ہم وہاں اپنی حمایتی حکومت بنواسکیں گے، کیونکہ امریکہ نے یقین دہانی کی ہے کہ پاکستان تعاون کرے گا تو ہم اس کے ساتھ اپنے تعلقات بالکل سرنو کریں گے۔

پھر میرا نمبر آیا، میں نے کہا کہ جو خطرات آپ نے بیان کئے ہیں ان سے ہم پوری طرح انکار کرنے کی پوزیشن میں تو نہیں لیکن اگر ہم جرم ثابت ہوئے بغیر امریکی حکمرانوں کی دھاندلی اور دھمکی میں آکران کی بات مان لیتے ہیں یعنی وہ گن پوائنٹ پر ہم سے مطالبہ کریں کہ مظلوم کے خلاف ہماری مدد کرو اور ہم ان سے خوفزدہ ہوکر ان کا یہ ظالمانہ مطالبہ مان لیں تو یہ بدترین جرم ہوگا، ایسے ظلم کا ساتھ دینا پاکستان کے لئے تباہی کا راستہ ہے، اس سے خود پاکستان میں پھوٹ پڑجائے گی۔ افغانستان کے ساتھ ہماری بہت لمبی سرحد ہے جو ہمارے افغان بھائیوں اور طالبان کی وجہ سے بالکل محفوظ ہے، بحالت موجودہ اس سرحد کی حفاظت کے لئے ہمارے ایک سپاہی کی بھی ضرورت نہیں اگر افغانستان میں حملہ آور فوج آگئی تو ہماری تقریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر لمبی یہ سرحد بالکل غیر محفوظ ہوجائے گی۔ اور پاکستان میں امریکہ کو اڈے دینے سے ہمارا پڑوسی ملک چین بھی ہمارے سے بدگمان ہوجائے گا بھارت تو پہلے ہی سے ہمارا دشمن ہے، لہٰذا اگر ہم نے افغانستان پر غیر ملکی حملے اور قبضے کی حمایت کی تو یہ راستہ ہمیں دینی اور دنیاوی تباہی کی طرف لے جائے گا۔ ہم محض امریکہ کے رحم وکرم پر رہ جائیں گے، اور جو ہمارے ہیں وہ ہم سے کٹ جائیں گے اور ہمارے دشمن ہوجائیں

گے۔اگر ایسا ہوا کہ آپ نے ظالم حملہ آور کی محض طاقت سے مرعوب ہو کر افغانستان پر اس کے حملہ کی حمایت کی اور اپنی زمین اور فضا استعمال کرنے کی اجازت دے دی تو یہ اپنی غلامی یا موت کے پروانے پر دستخط کرنے کے مترادف ہوگا، ہماری ایٹمی تنصیبات کا کیا ہوگا؟ کشمیر کا مسئلہ کہاں جائے گا؟

اگر اس ظالمانہ حملے کی حمایت کرنا اور نہ کرنا دونوں خطرناک ہیں، اور بالفرض ہمارے لئے دونوں ہی طرف موت ہے تو ایسے موقع پر عقل اور شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ اصول پر ڈٹ جائیں، اگر موت آئے گی تو ہمارا ضمیر مطمئن ہوگا کہ اصول پر موت آئی، اور اگر خدانخواستہ ظلم کی حمایت میں موت آگئی تو یہ ذلت اور کتے کی موت ہوگی۔اور پہلی صورت میں عزت وشہادت کی موت ہوگی۔میں نے اپنے کئی فوجی بھائیوں سے یہ جملہ سنا ہے اور آپ تو پاکستان کے سپہ سالار ہیں، آپ اس جملے کو زیادہ جانتے ہیں کہ جو شخص مرنے کے لئے تیار ہوجائے اسے دوسو گولیوں سے بھی مارنا آسان نہیں ہوتا۔ ہمیں مٹانا بھی ان شاء اللہ کسی کے لئے آسان نہیں ہوگا۔

میری گفتگو کے دوران صدر نے جواب دیا کہ ہم اپنے ہوائی اڈے تو نہیں دیں گے، اور چین ہمارے ساتھ متفق ہے۔ایک کشمیری عالم نے جن کا اسم گرامی اس وقت مجھے یاد نہیں آرہا بڑی اچھی باتیں کہیں، انہوں نے حق گوئی اور دلائل میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، پرویز مشرف کے بیان کردہ تمام خطرات کے جوابات دیدیے۔

سترہ علماء کرام تھے، ہم سب نے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر کھل کر بات کی اور ہر خطرے کا تفصیلی جائزہ لیا، آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی باری آئی تو انہوں نے بھی طالبان حکومت کے خلاف امریکہ کی حمایت کی بہت سخت الفاظ میں مخالفت کی۔

لیکن دوران مجلس ہی یہ دیکھ کر ہمیں سخت تشویش ہوئی اور افسوس ہوا کہ فوجی صدر

صاحب امریکہ کی حمایت کا فیصلہ کر چکے تھے، آخر میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کی سلامتی کا مسئلہ ہے اس کے مفاد میں ہم ہر ناگزیر اقدامات کریں گے، اس پر بات ختم ہوگئی اور وہ چلے گئے۔

حالات تشویش ناک ہیں ہمیں اتنا اطمینان ہوا کہ ہم نے اپنا فریضہ ادا کر دیا اب فیصلہ اچھا یا برا کرنے کی ذمہ داری صدر پر ہے سب نے یہ بھی کہا کہ آپ سپر پاور کی بات کر رہے ہیں اس رب العالمین پر نظر کریں جو سب سے بڑی سپر پاور ہے اس نے پہلے کمیونیزم کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا، اب وہ کسی اور ظالم کا غرور بھی خاک میں ملا دینے پر قادر ہے۔ صدر نے ہمارے سامنے افغانستان کی طالبان حکومت کی بھی شکایت کی اور کہا کہ ہم نے کتنے عرصے مسلسل افغانستان کا بچاؤ اور تحفظ کیا مگر طالبان نے ایک ہی دن میں ہمارے کئے کرائے پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ اگر تم نے امریکہ کا ساتھ دیا تو ہم تم پر حملہ کر دیں گے۔

اس کا جواب بھی ایک عالم صاحب نے دیا کہ اس سے تو آپ کے ہاتھ مضبوط ہوں گے، آپ امریکہ سے کہیں کہ ہماری بھی مجبوریاں ہیں۔

اس مجلس میں پرویز مشرف صاحب نے یہ بھی کہا کہ جب امریکہ کے خلاف کوئی اسلامی ملک آواز نہیں اٹھا رہا، سارے اسلامی ممالک طالبان کے خلاف ہوگئے ہیں، ان حالات میں ہم اکیلے کیسے ان کا ساتھ دیں؟ ہم اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے ملے ہیں کسی نے طالبان کی تائید نہیں کی۔

اس کا جواب علماء کرام نے یہ دیا کہ آپ حکمرانوں سے ملے ہیں وہاں کے عوام سے نہیں ملے وہ کبھی امریکی حملہ آوروں کا ساتھ نہیں دیں گے۔

مفتی سعید احمد خان صاحب

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی

بے خبری یا تجاہل عارفانہ (قسط۲)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کا یہ فرمانا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کبھی بھی اپنی زبان سے نہیں کہا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں سے ان کی مراد کیا ہے؟ اگر وہ اپنے جملے کو لغت کے اعتبار سے فرماتے ہیں تو یہ بالکل درست ہے۔

دنیا میں شاید اس وقت کوئی ایک بھی ذی روح نہ ہو، جس کے سامنے جناب مرزا صاحب نے یہ بات کہی ہو اور نہ ہی اس وقت ٹیپ ریکارڈر ہوا کرتے تھے کہ کوئی ان کی آواز کو منضبط کر لیتا اور آج لوگوں کو سناتا آج کے کسی مسلمان نے براہ راست ان سے یہ دعویٰ نہیں سنا کیونکہ وہ 1908میں دنیا چھوڑ گئے اور اب کوئی شخص مرد و عورت ایسا نہیں جس کی عمر کم سے کم ایک سو بیس برس ہو اور پھر وہ جناب مرزا صاحب سے ملا بھی ہو اور اس نے یہ دعویٰ سنا بھی ہو اور اگر اس جملے سے جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی مراد یہ ہے (اور یہی بات ایک عام قاری کو سمجھ میں آتی ہے) کہ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کبھی بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، تو معروضہ یہ ہے کہ ان کی اپنی ہی تحریر شدہ کتابیں اس دعوے سے اٹی پڑی ہیں۔آپ آج سوا سو سال کے بعد کیسے ان سے اس دعوے کی نفی کر سکتے ہیں؟ مسلمہ قاعدہ ہے کہ ہر انسان کی زبان سے زیادہ اس کی تحریر قابل اطمینان ہوتی ہے۔ معصومین و محفوظین کی بات تو الگ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی پناہ میں ہوتے ہیں وگرنہ تو ہر آدمی کی تحریر اس کی زبان سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔سو

بالفرض اگر مرزا صاحب کی زبان سے کسی شخص کے کانوں نے یہ دعویٰ نہ بھی سنا ہو، تو کیا ان کی کتابیں اس بلند بانگ دعوے اور اثبات مدّعا کے لیے کافی نہیں ہیں؟ جناب مرزا صاحب ایک عام مسلمان اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے کیسے مشہور ہوئے اور پھر انہوں نے کیسے دعویٰ تجدید ، مہدی ، مسیح موعود اور بالآخر نبی ورسول ہونے کا اظہار کیا، حسب وعدہ ، یہ کتھا اور قصہ یوں ہے۔

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی 1839ء یا 1840ء میں قادیان ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے (روحانی خزائن ، ج:13، ص:177۔کتاب البریہ ، ص:159) اور تعلیم سے فارغ ہوکر اسلام کے دفاع میں عیسائیوں اور ہندو آریوں سے مناظرے شروع کیے۔ یہ وہ دور تھا جب پورا ہندوستان عیسائی مشنریوں ، آریہ سماج اور برہما سماج کی زد میں تھا ۔ عیسائی پادری حضرت رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ پر کھلے بندوں اعتراض کرتے تھے ۔آریہ نے ہر جگہ قرآن کریم کو مشکوک کتاب باور کرانے کے لیے اپنی تحریک کے مراکز قائم کر رکھے تھے اور برہمو سماج والے تو سرے سے وحی الٰہی کے منکر اور محض اپنی عقل کو رہنما مان کر ، زندگی گذارنے پر زور دے رہے تھے ۔

ان حالات میں جناب مرزا صاحب نے 1880ء میں اپنی کتاب براہین احمدیہ کا پہلا اور دوسرا حصہ شائع کروایا اور اس میں ان گمراہ فرقوں کی تردید کی۔ مسلمانوں نے ان حالات میں جب اس کتاب کو پڑھا تو جناب مرزا صاحب کی تعریف کی۔وہ مبلغ اسلام کی حیثیت سے اُبھرے اور لوگوں نے انہیں اچھا جانا یہاں تک کہ اہلحدیث حضرات کے رہنما جناب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ علماء کرام نے بھی انہیں مبلغ اسلام کے طور پر قابل ستائش جانا اور ان کی کتاب اور شخصیت کو بہت پذیرائی ملی ۔

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اب آہستہ آہستہ اُبھرنا شروع کیا اور

مبلغ اسلام کے لقب اور شہرت سے فائدہ اُٹھا کر یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب ''تریاق القلوب'' میں ایڈیٹر، رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' کے متعلق وہ بتاتے ہیں کہ یہ ایڈیٹر، شیخ محمد حسین بٹالوی اور وہ بچپن میں دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتے رہے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ جناب مرزا صاحب اپنی ابتدائی عمر میں کس طرح کے آدمی تھے۔ پھر جب ان کی عمر 40 برس ہوئی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔(روحانی خزائن، ج: 15، ص: 283۔ تریاق القلوب، ص: 155) یہ ہے جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ الہام کرتا ہے یعنی وہ مُلْهَمْ مِنَ اللہ ہیں۔

سیدھے سادے اور بھولے بھالے مسلمانوں نے ان کے اس دعوے کو قبول کر لیا اور جناب مولانا وحید الدین خان صاحب ملاحظہ فرمالیں کہ پھر وہ مختلف اوقات میں کیسے کیسے دعاوی کرتے رہے انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اپنے دور اور اس صدی کے مجدد ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

> آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر ایک مجدد کا آنا ضروری ہے۔ اب ہمارے علماء کو جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلاویں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدا تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشاء ہے کہ وہ مجدد خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئے گا یعنی علوم لدنیہ وآیات سماویہ کے ساتھ۔ اب بتلاویں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر کون آیا ہے جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا۔(روحانی خزائن، ج:3، ص:1-178، ازالہ اوہام ص:154)

انہوں نے ''نبوت'' کے اجزاء کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اللہ تعالیٰ کے جو خاص بندے، اولیاء کرام، ہوتے ہیں ان پر بھی وحی آیا کرتی ہے۔اور اس وحی کی وجہ سے جو ولی اللہ نبوت کا کوئی حصہ پالیتا ہے، وہ محدث کہلاتا ہے اور اس طرح سے کوئی بھی محدث نبی ہوتا ہے اور ہر نبی محدث ہوتا ہے۔چنانچہ باری تعالیٰ کی طرف سے بار بار ایسی وحی ان پر آتی ہے اور وہ محدث ہیں اور پھر یہ معنیٰ کر کے وہ نبی بھی ہیں۔(فاعلم ارشدک اللہ تعالٰی ان النبی محدث والمحدث نبی الخ، والوحی الذی ینزل علی خواص الاولیا والنورالذی یتجلّی علیٰ قلوب قومٍ موجع (روحانی خزائن، ج:3، ص:60، توضیح مرام، مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا۔ص:19)

اُمت مسلمہ کا مسلمہ عقیدہ قرن اول سے اب تک یہی چلا آرہا ہے کہ قیامت کے قریبی زمانہ میں حضرت مہدی اس اُمت میں تشریف لائیں گے اور پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور ورودِ مسعود ہوگا جو اپنے دور میں زندہ آسمانوں کی طرف اُٹھا لیے گئے تھے۔

سیدنا مہدی ایک علیٰحدہ شخصیت ہیں اور سیدنا مسیح علیہ السلام ایک الگ ہستی ہیں جن کے آنے کی پیشین گوئی اور وعدہ کیا گیا ہے اس لیے وہ مسیح موعود بھی کہے جاتے ہیں۔

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ تو دعویٰ کر ہی دیا تھا کہ ان پر کثرت سے وحی آتی ہے اور وہ محدث نبی ہیں۔انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کا تو طبعی طور پر انتقال ہوچکا ہے اور جیسے ان سے پہلے رسولوں کو، جو کہ ان کے بھائی تھے، وفات دی گئی تھی بالکل ایسے ہی حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام کو بھی وفات دی جاچکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بشارت اور خوش خبری دی ہے کہ لوگ جس عیسیٰ کا انتظار کررہے ہیں، وہ تمہی تو ہو اور لوگ جس مبارک ہستی حضرت مہدی کا انتظار کررہے

ہیں، وہ مہدی بھی تم ہی تو ہو۔(وبشرنی وقال ان المسیح الموعود الذی یرقبونہ والمھدی المسعود الذی ینتظرونہ ھو انت نفعل ما نشاء فلا تکونن من الممترین۔روحانی خزائن، ج:8، ص:27، اتمام الحجۃ علی الذی لج وزاغ عن الحجۃ، ص:3)

یوں مرزا صاحب نے مہدی اور مسیح دونوں کو ایک ہی شخصیت قرار دے کر اپنے آپ کو ان مناصب رفیعہ پر بھی فائز کردیا۔انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ جیسے حضرت سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زندگی بہت زاہدانہ اور عاجزانہ تھی اور وہ دنیا سے لاتعلق رہا کرتے تھے، مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی زندگی بھی ویسی ہی درویشانہ صفت ہے، اس لیے وہ زندہ سلامت حضرت مسیح علیہ السلام کی ایک مثال اور انہی کی ایک تشبیہ ہیں اور اپنے اس دعوے میں انہوں نے اپنے آپ کو ''مثیلِ مسیح'' قرار دیا۔چنانچہ تحریر فرمایا:

علمائے ہند کی خدمت میں نیازنامہ

اے برادران دین وعلمائے شرع متین!آپ صاحبان میری ان معروضات کو متوجہ ہوکر سنیں کہ اس عاجز نے جو مثیلِ موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں۔یہ کوئی نیا دعویٰ نہیں جو آج ہی میرے منہ سے سنا گیا ہو۔بلکہ یہ پرانا الہام ہے جو میں نے خدائے تعالیٰ سے پاکر براہین احمدیہ کے کئی مقامات پر بتصریح درج کر دیا تھا جس کے شائع کرنے پر سات سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ گذر گیا ہوگا۔میں نے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کیا کہ میں مسیح بن مریم ہوں جو شخص یہ الزام میرے پر لگاوے وہ سراسر مفتری اور کذاب ہے بلکہ میری طرف سے عرصہ سات یا آٹھ سال سے برابر یہی شائع ہورہا ہے کہ میں مثیلِ مسیح ہوں یعنی حضرت عیسیٰ کے بعض روحانی خواص طبع اور عادت اور اخلاق وغیرہ کے خدائے تعالیٰ نے میری فطرت میں بھی رکھی ہیں اور

دوسرے کئی امور میں جن کی تصریح انہی رسالوں میں کرچکا ہوں میری زندگی کو مسیح ابن مریم کی زندگی سے اشدّ مشابہت ہے اور یہ بھی میری طرف سے کوئی نئی بات ظہور میں نہیں آئی کہ میں نے ان رسالوں میں اپنے تئیں وہ موعود ٹھہرایا ہے جس کے آنے کا قرآن شریف میں اجمالاً اور احادیث میں تصریحاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ میں تو پہلے بھی براہین احمدیہ میں بتصریح لکھ چکا ہوں کہ میں وہی مثیلِ موعود ہوں جس کے آنے کی خبر روحانی طور پر قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں پہلے سے وارد ہوچکی ہے۔(روحانی خزائن ، ج:3، ص:192، ازالہ اوہام، حصہ اول، ص:191-190)

انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں بے پناہ برکتیں دینے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت ڈالنے کا وعدہ کیا ہے اور پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے:جعلناک المسیح ابن مریم ہم نے تمہیں مسیح بن مریم بنا دیا ہے۔(روحانی خزائن، ج:3، ص:442، ازالہ اوہام، حصہ دوم، ص:634)۔

عربی زبان میں برزٌ کا لفظ، ظہور اور کسی چیز یا کام یا صلاحیت کے ظاہر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن ، زمین کا کیا حال ہوگا؟ اس سلسلے میں فرمایا ہے: وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (پ:١٥، س: الکہف، آیت:٤٧) اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے۔یعنی تاحد نظر کوئی نشیب وفراز نہیں ہوگا اور زمین بالکل صاف، ظاہر میں نظر آرہی ہوگی۔

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا بہت عقلمند اور نہایت پاکیزہ کردار کی صحابیہ تھیں۔ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے وہ ایسے پردہ نہیں کرتی تھیں جیسے کہ مدینہ منورہ میں جوان لڑکیاں پردہ کیا کرتی تھیں۔وہ مردوں میں بیٹھ کر ان سے باتیں بھی کرلیتی تھیں۔اس لیے

ان کی روایت کردہ احادیث میں ان کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں :انھا کانت امراۃ برزۃ وہ ایسی خاتون تھیں جو پردے میں نہ ہونے کی وجہ سے بہت نمایاں رہتی تھیں۔

اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے امرأۃ برزۃ (وہ عورت جو نمایاں ہو) اورعام لوگوں کے ساتھ رہتی اور دنیوی معاملات میں حصہ لیتی ہو، گواہیوں کے معاملے میں اس کی شہادت کو قبول کیا ہے ۔ویقبل تعدیل المرأۃ لزوجھا وغیرھا اذا کانت امرأۃ برزۃ تخالط الناس وتعاملھم کذافی محیط السرخسی (الفتاویٰ الھندیۃ ، کتاب الشھادات، الباب الثانی عشر فی الجرح والتعدیل ج:۳، ص: ۵۲۸)

یہ لفظ اردو زبان میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔

از غایت ظہور نہاں ہے نہ آشکار
و ز شدت بروز خفی ہے نہ آشکار

ہندوؤں کے عقیدے میں بھی یہ ''بروز'' شامل ہے۔ان کے مذہب میں یہ بات ہے کہ ان کے دیوتا آسمان سے اُترے اور مختلف انسانوں کے روپ دھار کر انہوں نے بروز کیا یعنی ظہور یا ظاہر ہوئے۔ وہ ظاہر میں انسان لیکن در حقیقت خدا تھے۔

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی ہندوؤں کے اس نظریے کو ایک اور رنگ میں پیش کیا اور وہ یہ کہ ہندو تو خداؤں کے بروز کے قائل تھے، انہوں نے نبوت کو بروزی بنادیا کہ ان کے اندر تو حضرت رسالت مآب ﷺ سمائے ہوئے تھے اور ظاہر میں جسم ان کا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی ایک کتاب ''ایک غلطی کا ازالہ ''میں واضح طور پر تحریر فرماتے ہیں:

بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں۔

یعنی آقائے نامدار حضرت رسالت مآب ﷺ میرے اندر سما گئے ہیں۔ میں ظاہر میں تو مرزا غلام احمد ہوں لیکن اندر سے محمد رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اعاذنا اللہ۔

پھر اپنی اسی کتاب میں چند سطروں کے بعد مزید تحریر فرماتے ہیں۔

میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں۔ (روحانی خزائن، ج:18، ص:212)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اور ان کی تحریرات سے متاثر ہونے والے حضرات وخواتین کو اس نقطے اور عبارات پر غور فرمانا چاہیے کہ جناب مرزا صاحب کہہ کیا رہے ہیں، وہ تو یہ بتا رہے ہیں کہ میں اندر سے تو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ہوں اور ظاہر میں مرزا غلام احمد ہوں۔

ایسے عقائد تو ان قوموں کے ہوا کرتے تھے جو اپنے دیوتاؤں کو خدا مانتے تھے اور ہیں، اسلام نے بھی کبھی کوئی ایسی تعلیم دی ہے؟

کل کو یا زمانۂ ماضی میں اگر کوئی جاہل اور گمراہ صوفی یہ دعویٰ کرے کہ وہ بروزی طور پر خدا ہے، تو کیا وہ مسلمان رہ جائے گا؟ وہ دنیا کو اس عقیدے کی دعوت دے کہ میں بروزی اللہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے اندر سما گیا ہے اور میں فقط ظاہر میں انسان ہوں، حقیقت میں تمہارا پروردگار ہوں۔ کیا یہ دعویٰ مسموع ہوگا؟ اس لیے جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کن کا دفاع فرما رہے ہیں، چاہیے کہ غور فرمالیں اور جو لوگ دین میں ان سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، کہیں ان کی راہ کھوٹی نہ ہوجائے۔

جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ ظلی نبی ہیں جناب مولانا وحید الدین خان صاحب تحریر فرمارہے ہیں کہ:

انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ میں ظِلّی نبی ہوں یعنی میں نبی کا سایہ ہوں۔

(الرسالہ، بابت ماہ اکتوبر 2011ء خصوصی نمبر ختم نبوت ص:13)

بات یوں نہیں ہے جناب مرزا صاحب نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ حضرت رسالت مآب علیہ الصلاۃ والتسلیم کا سایہ (ظل) ہیں بلکہ انہوں نے تو یہ دعویٰ فرمایا کہ میں نبی ہوں اور میری نبوت کو حضرت صاحب الرسالۃ محمد رسول اللہ ﷺ سے وہی نسبت ہے جو کہ سایے کو اصل سے ہوتی ہے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرتے کہ وہ محض نبی ﷺ کا سایہ ہیں تو پھر بھی اہل علم ان کے اس دعوے پر غور کر لیتے، انہوں نے تو صاف صاف یہ دعویٰ کیا کہ ان کی نبوت، نبوت محمدی سے سایے اور اصل کی نسبت رکھتی ہے۔

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی تحریر کے مطابق تو ان کا اصل دعویٰ محض اصل اور سایے (ظلّ) کے زمرے میں آتا ہے لیکن در حقیقت ان کا دعویٰ اپنی چھوٹی نبوت اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی بڑی نبوت کا ہے کہ میں جو کم درجے کی چھوٹی نبوت رکھتا ہوں اس کے مقابلے میں ایک بڑی نبوت بھی ہے وہ حضرت رسالت مآب ﷺ کی ہے۔ وہ تو بہت صاف، واضح اور بغیر کسی جھجک کے یہ دعویٰ فرماتے ہیں۔

میں ظلی طور پر محمد ہوں۔ (روحانی خزائن ج:18، ص:212، ایک غلطی کا ازالہ، ص:8)

اور پھر انہوں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دعویٰ کر دیا، ایسا دعویٰ کہ جو ان کے اس دعوے کو نہیں مانتے اور اس کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ افراد جو جناب مرزا صاحب کو ان کے دعوے میں سچا مانتے ہیں، دونوں کے درمیان مسلم اور غیر مسلم کی لکیر کھچ گئی۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں یہ دعویٰ کیا:

> سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔ (روحانی خزائن ج:18، ص:231 دافع البلاء و معیار اہل الاصطفاء ص:15)

پھر اس سیدھے سادے نثری دعوے کے بعد اپنی شاعری کے ذریعے بھی انہوں نے پوری دنیا کو اس دعوے کا پیغام دیا۔

منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

میں اس دور میں مسیح ہوں اور میں ہی وہ موسیٰ ہوں جس سے خدا نے کلام کیا تھا اور میں ہی وہ محمد ہوں جسے خدا نے چنا۔ (روحانی خزائن، ج:15، ص:134، تریاق القلوب، ص:6)

ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:

غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس اُمت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گذر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں

(روحانی خزائن، ج:22، ص:407-406، حقیقۃ الوحی، ص:391)

جناب مولانا وحید الدین خان صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے اپنے پرچے ''الرسالہ'' میں جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی وکالت، اور ان کے جرم کو جو کم کرنے کی کوشش کی ہے، تو کیا یہ دعاوی اور عبارات ان کی نظر سے نہیں گزریں؟ اگر نہیں تو یہ تو بہت ہی نامناسب بات ہے کہ وہ جس کی وکالت فرماتے ہیں، وہی ان کے دعوے کی تردید کرتا چلا جاتا ہے۔ ان کی عبارتیں ایک سے ایک بڑھ کر دعوائے نبوت و رسالت کی ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہی نہیں۔ بغیر مطالعہ کیے عقیدۂ ختم نبوت جیسے حساس اور بنیادی عقیدے پر اس طرح کا تبصرہ کیسے مناسب ہے؟ اور اگر ان کی نظر سے یہ تمام کتابیں اور جناب مرزا صاحب کے دعوے گزر چکے ہیں، تو پھر کیا

اسے تجاہل عارفانہ سمجھا جائے۔

بے خبری یا تجاہل عارفانہ

آخر پر گزارش یہ ہے کہ جناب مولانا وحید الدین خان صاحب اور اگر کوئی ان کی اس تحریر سے متاثر ہو گیا ہے، تو وہ، ان سب کو چاہیے کہ اپنے الفاظ، تحریر اور عقیدے سے رجوع فرمائیں۔ اس مسئلے کی سنگینی کا احساس کرنا چاہیے اور اس نزاکت کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان کی اس تحریر کی بنیاد پر کوئی نیا فرقہ نہ بن جائے اللہ تعالیٰ اُمت کی حفاظت فرمائے، پہلے ہی بہت ٹکڑے اور فرقے بن چکے ہیں، اب کہیں کوئی نیا فرقہ یا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔ حضرت رسالت مآب ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول تھے، صلوات اللہ علیہ وسلامہ۔ ان کے بعد جس کسی نے بھی، کسی زمانے میں بھی دعوائے نبوت کیا، وہ اپنے دعوے میں سچا نہ تھا۔ جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بار بار نبوت کا دعویٰ کیا اور پوری اُمت مسلمہ نے ان کے دعوے کی تکذیب کی۔

عقیدۂ ختم نبوت جیسے کہ کتاب وسنت اور پھر علماء و مجتہدین اُمت نے وضاحت کے ساتھ اپنی اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے، وہی عقیدہ آخرت میں نجات کی ضمانت ہے۔ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اسی عقیدۂ ختم نبوت پر قائم، اسکے محافظ اور پرچارک ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی صحیح عقیدے پر خاتمہ فرمائے اور اسی عقیدے کے ساتھ قیامت میں اپنے صالح بندوں کے ساتھ محشور فرمائے۔ آمین۔

29 اکتوبر 2011ء بروز ہفتہ

بمطابق یکم ذی الحج ۱۴۳۲ھ

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۱۴/ ذوالحجہ: حضرت صدر مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم جامعہ میں تشریف لائے ، رات گئے تک مختلف امور پر صدر جامعہ سے محو گفتگو رہے۔

۱۵: حضرت مدظلہم ھڈالی اور سرگودھا تشریف لے گئے جہاں حضرت مدظلہم نے بیان فرمایا اور پھر سرگودھا مسجد الٰہیہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب کی بیٹی کا نکاح پڑھایا۔ بعد ظہر جامعہ حقانیہ میں حضرت مولانا مشرف علی تھانوی دامت برکاتہم نے عزیزان مولانا سید عبدالناصر و مولانا سید عبدالملک ترمذی سلمہما کا نکاح پڑھایا، نہایت سادگی کے ساتھ تقریب منعقد ہوئی جس میں جامعہ کے بعض اساتذہ و عملہ اور خاندان کے چند افراد نے شرکت کی ۔ اللہ پاک ہمیں اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائیں اور اس تقریب کو دونوں خاندانوں کے لئے مبارک فرمائیں ، آمین۔

۲۵: حضرت مدظلہم نے قصبہ صاحبہ بلوچاں تحصیل ساہیوال میں چار طلباء کو حفظ قرآن کے موقع پر آخری سبق پڑھا کر بیان فرمایا۔

۲۶: عزیزان مولانا سید عبدالناصر و عبدالملک سلمہما کے ولیمہ کی تقریب جامعہ میں ہوئی جس میں بیرون شہر سے بہت سے علماء کرام احباب و متعلقین نے شرکت فرمائی ، پہلے طلباء و علماء کو کھانا کھلایا گیا بعدہ احباب کو، ولیمہ کی تقریب میں حضرت الاستاذ جناب مولانا صالح محمد قریشی صاحب مدظلہم نے خصوصیت سے شرکت فرمائی ۔

۲۸: حضرت مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقع پر بیان فرمایا اور

بعد عصر جامعہ حقانیہ میں ہفتہ وار درس قرآن ارشاد فرمایا۔

۲۹: حضرت مدظلہم نے سرگودھا میں جامعہ حقانیہ کے سابق مدرس مولانا محمد عبداللہ صاحب چنیوٹی کا نکاح پڑھایا۔

یکم محرم الحرام ۱۴۳۳ھ: حضرت مدظلہم چنیوٹ تشریف لے گئے۔

۲: حضرت مدظلہم نے مدرسہ ترتیل القرآن چک نمبر ۱۰۸ میں درس قرآن ارشاد فرمایا۔

۳: حضرت مدظلہم نے مدرسہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (للبنات) ساہیوال میں ماہانہ اصلاحی درس ارشاد فرمایا۔

۵: حضرت مدظلہم نے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھا ہفتہ وار بخاری شریف کا درس ارشاد فرمایا۔

۷: کراچی سے جناب قاری عبدالغفور تھانوی اور عبدالصمد تھانوی سابق متعلم جامعہ ھذا، جامعہ میں تشریف لائے اور حضرت مدظلہم سے مختلف امور پر گفتگو فرمائی۔

۸: حضرت مدظلہم کے بہت قریبی تعلق والے اور ہمسائے جناب عبدالغفار خان صاحب کافی عرصہ علیل رہ کر لاہور میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ حضرت مدظلہم لاہور تشریف لے گئے اور ان کی نماز جنازہ پڑھائی، حق تعالیٰ مرحوم کی کامل مغفرت فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

۱۰: حضرت مدظلہم نے یوم العاشور کے موقع پر درجہ تخصص فی الفقہ کے طلبا اور دیگر علماء کرام کو احادیث مسلسلہ کی اجازت دی۔

۱۳: حضرت مدظلہم نے جامعہ میں ہفتہ وار اصلاحی درس بعد نماز عصر ارشاد فرمایا۔

۱۴: حضرت مدظلہم نے مدرسہ صدیقیہ فاروقیہ للبنات ساہیوال میں چند طالبات کے ناظرہ قرآن کریم مکمل کرنے کے موقع پر بیان کے بعد آخری سبق پڑھا کر دعا کرائی۔

